حضرت معاویہؓ اور خلافت و ملوکیت

— ملک غلام علی صاحب —

(۴)

زیاد کے مظالم | ابن غیلان کے واقعہ پر بحث کرنے کے بعد محمد تقی صاحب فرماتے ہیں:

"دوسرا واقعہ مولانا نے طبری اور ابن اثیر کے حوالے سے یہ بیان فرمایا ہے کہ زیاد نے ایک مرتبہ بہت سے آدمیوں کے ہاتھ صرف اس جرم میں کاٹ دیئے تھے کہ انہوں نے خطبہ کے دوران اس پر سنگباری کی تھی۔ یہ واقعہ بلاشبہ اسی طرح طبری اور ابن اثیر میں موجود ہے لیکن اسے درست مان لیا جائے تو یہ زیاد کا ذاتی فعل تھا کسی تاریخ میں یہ موجود نہیں ہے کہ حضرت معاویہؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی اور انہوں نے اس پر کوئی تنبیہ نہیں کی۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں اطلاع نہ ہوئی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اسی طرح اطلاع پہنچی ہو جس طرح ابن غیلان کے واقعے میں پہنچی تھی۔ یہ بھی مستبعد نہیں کہ حضرت معاویہؓ نے زیاد کو اس حرکت پر مناسب سرزنش کی ہو۔"

میں اس عجیب و غریب منطق کا جواب بار بار دے چکا ہوں۔ اب میں سوائے اس کے اور کیا کہوں کہ دو چار نہیں بلکہ بیسیوں آدمیوں کو محض کنکریاں پھینکنے پر قطعِ ید کی سزا دینا ایسا واقعہ نہیں ہے جس کی اطلاع امیر معاویہؓ کو نہ ہو سکی ہو۔ اگر غزوہ جبلِ اشل کے مالِ غنیمت میں سونے چاندی کا وزن حضرت معاویہؓ کو معلوم ہو سکتا ہے تو بصرے کی مسجد کے دروازے پر ہاتھوں کے کاٹے جانے کا علم آخر کیوں نہیں ہو سکتا؟ پھر اگر اس واقعہ کی رُوداد اس صورت میں تیار ہو کر پہنچی ہو جس طرح ابنِ غیلان کو پہنچی تھی تو جس طرح اس کے معاملے میں کم از کم دیت ادا کیے جانے کا ذکر تاریخوں میں ملتا ہے، زیاد والے واقعے میں کیوں نہیں ملتا؟ پھر ابن غیلان کو تو کم از کم معزول کیا گیا جس کا ذکر مدیر البلاغ بار بار کر رہے ہیں مگر زیاد کو ایک نہیں بلکہ تفیس سے

بے کراتنی افراد تک ہاتھ کاٹنے پر معزول کیوں نہ کیا گیا ؟ کیا صرف اس لیے کہ آئندہ کی مہمات میں اس نو دریافت بھائی کی ضرورت تھی ؟ اس ظلم صریح کے باوجود زیاد کا گورنری پر براجمان رہنا چونکہ مسلّم ہے ۔ اس لیے یہاں عثمانی صاحب اس سے زائد کوئی بات نہ بنا سکے کہ شاید حضرت معاویہؓ نے زیاد کو اس حرکت پر مناسب سرزنش کی ہو ۔ بعینہٖ اسی طرح کی بات ایک صاحب نے (جو محمد تقی صاحب سے زیادہ بزرگ تھے) مجھ سے اس وقت فرمائی جب گزشتہ صدارتی انتخابات کے عین بعد سابق صدر ایوب خاں کے لڑکوں اور حامیوں نے کراچی کے بے گناہ شہریوں کو قتل و غارت گری کا نشانہ بنایا تھا ۔ وہ صاحب فرمانے لگے " کیا معلوم کہ صدر صاحب تک ان واقعات کی تفصیل پہنچی بھی ہے یا نہیں اور پھر یہ بھی بعید نہیں کہ انہوں نے مناسب بازپرس اور سرزنش کی ہو جو ہمیں معلوم نہ ہو سکی ہو ۔"

یہ ایک حقیقت ہے کہ تاریخوں میں زیاد کے ظلم و تشدد کا تنہا یہی ایک واقعہ بیان نہیں ہوا ، بلکہ اس کی ستم رانیوں کا سلسلہ بہت دراز ہے ۔ ابن خلدون جنہوں نے بالعموم بنوامیّہ اور ان کے عُمّال کی زیادتیوں پر پردہ ڈالنے اور انہیں ہلکا کر کے دکھانے کی کوشش کی ہے ، انہوں نے بھی اپنی تاریخ (جلد ۳ ، ص۶) پر لکھا ہے کہ زیاد عشاء کی نماز کے کچھ دیر بعد تک لوگوں کو چلنے پھرنے کی مہلت دیتا تھا ، اس کے بعد اس کی پولیس جسے پاتی تھی قتل کر دیتی تھی (لا یجد احدًا الا قتلہ) ۔ پھر لکھتے ہیں کہ زیاد پہلا شخص ہے جس نے جرد السیف واخذ بالظنۃ وعاقب علی الشبہ (تلوار برہنہ کر لی ، لوگوں کو محض گمان کی بنا پر پکڑا اور مواخذہ کیا اور شبہات پر سزائیں دیں) ۔ اب یہ بات کس طرح قرینِ قیاس اور قابلِ فہم ہو سکتی ہے کہ ظنون و شبہات پر عوام الناس کی پکڑ دھکڑ کرنا اور کرفیو لگا کر اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو تہ تیغ کرتے رہنا ، ایک ایسی معمولی بات ہے جس کی امیر معاویہؓ کو خبر تک نہ ہوتی ہو ؟

ابن ابی ارطاۃ کے مظالم | امیر معاویہ کے گورنر بُسر بن ابی ارطاۃ کی جن ظالمانہ کارروائیوں کا ذکر مولانا مودودی نے کیا ہے ، ان کے متعلق مدیر " البلاغ " کا کہنا یہ ہے کہ " اسی طرح کی کارروائیوں کا ذکر جاریہ ابن قدامہ کے بارے میں بھی ملتا ہے جنہیں حضرت علیؓ نے بُسر بن ابی ارطاۃ کے مقابلے میں بھیجا تھا ۔" مدیر موصوف لکھتے ہیں کہ " اگر یہ روایت درست ہو تو یہ حضرت معاویہؓ کے عہدِ خلافت کا نہیں ، بلکہ مشاجرات کے زمانے کا قصہ ہے جبکہ

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے لشکر برسرپیکار تھے۔ ہم ان زیادتیوں سے دونوں اصحاب کو بری سمجھتے ہیں، کیونکہ ان روایات کی صحت کا کچھ پتہ نہیں۔ حافظ ابن حبان کا بُسر کے متعلق الاصابہ میں یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ فتنے کے دَور میں ان کے بہت سے واقعات مشہور ہیں جن میں مشغول نہیں ہونا چاہیے۔"

اس استدلال کے جواب میں پہلی بات جسے میں واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں، وہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے خلاف حضرت معاویہؓ کے جارحانہ اقدامات اور حضرت علیؓ کے جوابی اقدامات کو ایک ہی سطح پر لانے کی سعی بالکل غلط اور غیر معقول ہے۔ صاف بات یہ ہے کہ اگر حضرت علیؓ خلیفۂ راشد تھے تو آپ کے خلاف حضرت معاویہؓ کا جدال وقتال محض "مشاجرت" یا "اختلاف"[1] کی تعریف میں نہیں آسکتا اور نہ اِس پر اُس اجتہاد کا اطلاق ہو سکتا ہے جس کے متعلق ارشادِ نبویؐ ہے کہ اذا اجتھد الحاکم فاصاب فلہ اجران وان اخطأ فلہ اجر (جب حاکم اجتہاد کرے اور صحیح فیصلہ کرے تو اس کے لیے دُہرا اجر ہے اور اگر غلطی کرے تو ایک اجر ہے)۔ بلکہ یہ ان احادیث کی زد میں آتا ہے جن میں ارشاد ہوا ہے کہ من اراد ان یفرّق امر ھٰذہ الامۃ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف ... اور اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الآخر منھما (مسلم، کتاب الامارہ)۔ اہلِ سُنّت میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ واقعۂ تحکیم میں حضرت ابوموسٰیؓ کے اعلان سے حضرت علیؓ معزول ہو گئے تھے اور حضرت عمروؓ بن عاص کے اعلان سے امیر معاویہؓ خلیفہ ہو چکے تھے۔ اس لیے درحقیقت حضرت علیؓ کی حیثیت آخر وقت تک خلیفۂ راشد کی تھی۔ پس امیر معاویہؓ خلیفۂ راشد کے بالمقابل منازع اور مدعیِ خلافت تھے اور ان کا رویّہ فی الواقعہ بغاوت و محاربہ کی تعریف میں آتا ہے۔ اور حضرت علیؓ یا ان کے کسی فرستادہ کی کارروائی، بالخصوص جبکہ وہ مدافعانہ اور جوابی نوعیت کی ہو، درحقیقت بغاوت اور سرکشی کا استیصال ہے، وشتان بینھما۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پھر حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں امیر معاویہؓ نے یا ان کے کسی گورنر نے جو حربی یا نیم حربی اقدامات ان علاقوں میں کیے ہیں

---

[1] یہاں مدیر البلاغ نے امیر معاویہؓ کی حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت وجارحیت کے لیے "مشاجرت" کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس سے پہلے محترم کے البلاغ میں فرما چکے ہیں: "کیا حضرت علیؓ سے "اختلاف" کر کے حضرت معاویہؓ کو حق اجتہاد بھی نہیں تھا۔" خلیفۂ برحق کے خلاف مسلسل پانچ برس کی صف آرائی کو بھی محض "اختلاف" کا نام دے دینا عجیب چیز ہے۔

جو حضرت علیؓ کے زیرِ بیعت تھے، وہ تو اور بھی زیادہ بے جواز اور قابلِ اعتراض تھے۔ محمد تقی صاحب اگر چاہیں تو حضرت علیؓ کے گورنر عبیداللہ بن عباسؓ کے معصوم بچوں کے قتل کا انکار کر دیں (اگرچہ قدیم و جدید مؤرخین نے تفصیل و صراحت کے ساتھ اس واقعہ کا ذکر کیا ہے)۔ مگر کیا وہ اس امر سے بھی انکار کر سکتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے ایک طے شدہ منصوبے کے مطابق مصر، حجاز، یمن، ہمدان وغیرہ علاقہ جات کو حضرت علیؓ کے حدودِ خلافت سے نکالنے کے لیے باقاعدہ جنگی مہمات کا آغاز اپنی طرف سے کر دیا تھا اور حضرت علیؓ یا ان کے عاملین نے جو کچھ کیا وہ جوابی کارروائی کے طور پر تھا۔ شرعی لحاظ سے حضرت معاویہؓ کی یہ مہمات بغی و فساد کی تعریف میں آتی ہیں اور حضرت علیؓ کے مدافعانہ اقدامات رفعِ فساد قرار پاتے ہیں۔

عثمانی صاحب نے اصابہ سے ابن حبانؒ کا یہ قول تو نقل کر دیا کہ بُسر کے بہت سے واقعات مشہور ہیں، جن میں مشغول ہونا نہیں چاہیے لیکن اس قول سے ماقبل حافظ ابن حجرؒ کا یہ قول کیا عثمانی صاحب کو نظر نہیں آیا کہ کان معاویۃ وجھہ الی الیمن والحجاز فی اول سنۃ اربعین وامرہ ان ینظر من کان فی طاعۃ علی فیوقع بھم ففعل ذالک (معاویہؓ نے بُسر کو یمن اور حجاز کی طرف ۴۰ھ کے اوائل میں روانہ کیا اور حکم دیا کہ وہ جن لوگوں کو حضرت علی کا مطیع دیکھے انہیں تاخت و تاراج کرے۔ پس بُسر نے ایسا ہی کیا)۔ تقریباً اسی طرح کی بات عثمانی صاحب کے پسندیدہ مؤرخ ابن خلدون نے بھی لکھی ہے: فاراد معاویۃ صرف عملہ الی مصر لما کان یرجو من الاستعانۃ علی حربہ بخراجھا ... فقال معاویۃ بل الرای ان نکاتب العثمانیۃ بالوعد ونکاتب العدو بالصلح والتخویف ونأتی الحرب بعد ذالک۔ (تاریخ ابن خلدون، جلد ۲، ص۱۸۱) (پھر امیر معاویہؓ نے مصر کی جانب کارروائی کا ارادہ کیا کیونکہ مصر کی آمدنی و محاصل سے وہ اپنی جنگوں میں مالی امداد کی توقع رکھتے تھے پس امیر معاویہؓ نے کہا کہ صحیح رائے یہ ہو گی کہ ہم حضرت عثمانؓ کے طرفداروں کو تو تحریری وعدے دیتے رہیں اور دشمن (علیؓ) سے کبھی صلح کی بات چیت پر خط و کتابت کریں اور کبھی انہیں ڈرائیں۔ اس کے بعد جنگ کا آغاز کریں)۔ اس کے بعد آخر عثمانی صاحب یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ ان زیادتیوں سے بری ہیں۔ بہرحال یہ تو ایک ناقابلِ تردید تاریخی حقیقت ہے کہ بُسر اور دوسرے لوگوں کو امیر معاویہؓ نے مار دھاڑ کی مہم پر روانہ کیا تھا۔ باقی رہیں تفصیلات تو ان کے بیان کرنے میں مولانا مودودی تنہا نہیں۔ مثال کے طور پر مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب

ندوی سیر الصحابہ، جلد ۸، ص ۵۹ پر لکھتے ہیں :-

"۴۰ھ میں امیر معاویہؓ نے مشہور جفاکار بُسر بن ابی ارطاۃ کو حجازیوں سے اپنی بیعت لینے پر مامور کیا۔ بُسر نے اہلِ مدینہ کے دلوں میں خوف پیدا کرنے کے لیے بعض گھروں کو ڈھا دیا۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد مکہ پہنچا۔ مکہ کے معاملات درست کرنے کے بعد یہاں سے یمن کی طرف بڑھا۔ یہاں کے عامل عبید اللہ بن عباس کو خبر ہوئی تو وہ عبد اللہ کو قائم مقام بنا کر کوفہ چلے گئے۔ بُسر نے یمن پہنچ کر پہلے عبد اللہ کا کام تمام کیا۔ پھر تمام شیعیانِ علیؓ کے قتلِ عام کا حکم دیا۔ عبید اللہ کے دو صغیر السن معصوم بچے بھی بُسر کے ظلم و جور سے زندہ نہ بچے۔ یمن میں سکہ بٹھانے کے بعد یہ ستم شعار سنگدل شام لوٹ گیا۔"

ان ظالمانہ کارروائیوں کے جواب ہی میں حضرت علیؓ نے جاریہ بن قدامہ کو بھیجا تھا۔ اب رہا یہ سوال کہ اگر جاریہ نے بھی نجران اور بصرہ میں جا کر ویسی ہی زیادتی کی تو اس پر حضرت علیؓ بھی موردِ الزام کیوں نہیں بنتے؟ تو اس کے تین جواب ہیں۔ پہلا تو یہی کہ یہ کارروائی جارحانہ نہیں بلکہ جوابی اور مدافعانہ تھی۔ دوسرا یہ کہ حضرت علیؓ نے اپنے مخالفین و محاربین سے لڑتے ہوئے بار بار تاکید فرمائی تھی کہ ان کی جان اور مال پر کوئی ایسا تجاوز نہ کیا جائے جو اسلام میں ممنوع ہو۔ اس بات کو عثمانی صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اہلِ سنت کے علماء و فقہاء نے مسلمان باغیوں، ان کے قیدیوں، عورتوں، بچوں وغیرہ کے متعلق جملہ احکامی تفصیلات حضرت علیؓ کے اس نمونے اور اسوے سے حاصل کی ہیں جو آپ نے اپنے خلاف لڑنے والوں کے لیے قائم فرمایا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر جاریہ ابن قدامہ نے حضرت علیؓ کی ان ہدایات کے علی الرغم کوئی فعل اسلام کے جنگی قوانین کے خلاف انجام دیا تھا تو حضرت علیؓ کو اتنی مہلت ہی نہ مل سکی کہ آپ اس پر مطلع ہو کر باز پرس کرتے۔ یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ جاریہ ابھی اپنی مہمات میں بُسر کا نجران، مکہ اور مدینہ میں تعاقب ہی کر رہے تھے کہ ۴۰ھ ہی میں ابن ملجم خارجی نے حضرت علیؓ کو شہید کر دیا۔

عثمانی صاحب نے ابنِ کثیر کے حوالے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مولانا مودودی کا بُسر کو "ظالم شخص" کہنا صحیح نہیں، کیونکہ حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں سے خود فرمایا تھا کہ "بُسر کا لشکر تم پر غالب آئے گا،

کیونکہ وہ اپنے امام کی اطاعت کرتے ہیں اور تم نافرمانی کرتے ہو، تم اپنی زمین میں فساد مچاتے ہو اور یہ اصلاح کرتے ہیں۔" حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرت علیؓ کے آخری خطبوں کے الفاظ ہیں جبکہ آپ اپنے رفقاء کی بدنظمی اور دوں ہمتی سے سخت مایوس اور دل برداشتہ تھے۔ اس میں فساد و اصلاح وغیرہ الفاظ اضافی نوعیت کے ہیں جو اپنے ساتھیوں کو غیرت دلانے کے لیے ایک خاص محدود مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں، جیسے میں نے ابھی اوپر سیر الصحابہ سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ "بُسر مکہ کے معاملات درست کرنے کے بعد یمن کی طرف بڑھا" ظاہر ہے کہ معاملات کی یہ درستی یا "اصلاح" جیسی کچھ بھی تھی امیر معاویہؓ کے استحکام سلطنت کے نقطۂ نظر ہی سے تھی۔

اس سلسلے میں یہ امر بھی حیرت انگیز ہے کہ عثمانی صاحب اور بعض دوسرے لوگوں نے بُسر کا یہ قول بڑے اہتمام سے پیش کیا ہے جس کا اعلان اس نے مدینے میں منبرِ رسولؐ پر کھڑے ہو کر کیا تھا کہ: "اے اہلِ مدینہ! اگر مجھ سے معاویہؓ نے عہد نہ لیا ہوتا تو میں اس شہر میں کسی بالغ انسان کو قتل کیے بغیر نہ چھوڑتا"۔ مجھے سخت تعجب ہے کہ محمد تقی صاحب نے بُسر کے اِس قول کو امیر معاویہؓ کی براءت اور بُسر کی صفائی کا ثبوت بنا کر پیش کیا ہے، اور اس سے یہ استدلال فراہم کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے ماتحتوں کو یہ تاکید فرمادی تھی کہ وہ قتل و قتال میں حدِ ضرورت سے آگے نہ بڑھیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ بُسر کے اس مقولے سے جو استنباط بجا طور پر کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کے گورنروں اور ماتحتوں کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد و فرمان سے زیادہ امیر معاویہؓ کے احکام و ہدایات کا پاس تھا۔ ورنہ جس شخص کے دل میں اللہ کا خوف اور ارشادِ نبویؐ کا احترام امیر کے خوف و احترام سے زیادہ اور اشد ہو، وہ ایسا اندازِ بیان اختیار نہیں کرسکتا اور مسجدِ نبویؐ کے منبر پر کھڑے ہو کر اہلِ مدینہ کو ان الفاظ میں دھمکی نہیں دے سکتا کہ اگر معاویہؓ نے مجھ پر پابندی نہ لگائی ہوتی تو میں اس شہر میں کسی بالغ کو قتل کیے بغیر دم نہ لیتا۔ کیا مدینۃ الرسولؐ میں قتلِ عام سے باز رکھنے کے لیے خدا اور اس کے رسولؐ کے احکام ایک مسلمان کے لیے کافی نہیں ہیں اور کیا اس کے لیے کسی دوسرے کے امتناعی حکم کی بھی ضرورت ہے؟ اللہ کا فرمان ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۔ ۔ ۔ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا (النساء ۹۲-۹۳)۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا یرید احد المدینۃ بسوءٍ الا اذابہ اللہ فی النار ذوب الرصاص (مدینہ کے متعلق جو بھی بُرا ارادہ کرے گا، اللہ اُسے سیسے کے مانند آگ میں گھلا دے گا) ومن اخاف اھل المدینۃ ظلماً اخافہ اللہ وعلیہ لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین (جو اہلِ مدینہ کو ناروا طور پر خوف زدہ کرے، اُسے اللہ خوفزدہ کرے گا اور اس پر اللہ، اس کے فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے)۔ کیا ان ارشادات کے بعد کسی کے لیے ایسی بات کہنا جائز ہے کہ اگر امیر معاویہؓ نے مجھے نہ روک دیا ہوتا تو میں مدینے کے ہر شخص کو تہ تیغ کر دیتا؛ دوسرے لفظوں میں جس کا مطلب یہ ہے اگر امیر مجھے حکم دیتے تو میں ایسا کر گزرتا۔[1] طُرفہ تماشا یہ ہے کہ امیر معاویہؓ اور ان کے عُمّال کو بری الذمہ ثابت کرنے کے لیے جو لوگ اس طرح کے اقوال اور استدلال پیش کرتے ہیں، ان کے سامنے جب اس طرح کی وکالت کی بنیادی کمزوری کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ بڑے ناراض ہوتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ ایسی صفائی پیش کرنے سے نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

مولانا محمد تقی صاحب عثمانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ فتنہ کا وقت گزر جانے کے بعد حضرت معاویہؓ کو یہ اطلاع ملی کہ بُسر بن ابی ارطاۃ نے کچھ زیادتیاں کی ہیں تو ابن خلدون کے بیان کے مطابق حضرت معاویہ نے ان زیادتیوں کی تلافی کر کے بُسر کو گورنری سے معزول کر دیا۔ عثمانی صاحب نے تلافی کی کچھ تفصیل نہیں بتائی اور نہ ہی واضح کیا کہ فتنہ کب تک رہا اور کب اس کا وقت ختم ہوا۔ تاریخ طبری اور بعض دوسری تاریخوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کی شہادت بلکہ امام حسن سے مصالحت کے بعد بھی بُسر جنگی خدمات سرانجام دیتا رہا۔ ۴۱ھ میں جب عمران بن ابان نے بصرے پر قبضہ کر لیا تھا، اور زیاد اس وقت فارس میں کُردوں کی سرکوبی میں مصروف تھا تو اس وقت امیر معاویہؓ نے عمران اور زیاد دونوں کو اپنا مطیع بنانے کے لیے بُسر کو روانہ کیا تھا۔ بُسر نے جا کر بصرے میں پہلا کام تو یہ کیا کہ منبر پر حضرت علیؓ کے خلاف سبّ وشتم کا

---

[1] یہ واضح رہے کہ بُسر نے مدینے والوں کو قتلِ عام کی دھمکی ایسی حالت میں دی تھی جبکہ مدینے میں کسی متنفس نے مقابلے میں ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔ ابن جریر طبری اپنی تاریخ جلد ۴ ص ۱۰۶ پر فرماتے ہیں دخل بُسر المدینۃ فصعد منبرھا ولم یقاتلہ بھا احد فنادی . . . . یہی الفاظ الکامل لابن اثیر ج ۳ ص ۱۹۲ پر موجود ہیں۔

ارتکاب کیا۔[1] پھر زیاد کے لڑکوں کو گرفتار کر کے امیر معاویہ کی جانب سے زیاد کو وعید نامہ تحریر کیا کہ اپنا خزانہ لے کر امیر معاویہ کی خدمت میں حاضر ہو جائے ورنہ اُس کے لڑکوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ زیاد اس وقت تک حضرت علیؓ کا حامی تھا اور امیر معاویہ نے اُسے بھائی بنا کر اپنے ساتھ نہیں ملایا تھا۔ حضرت ابوبکرہؓ نے بڑی مشکل سے بیچ میں پڑ کر لڑکوں کی جان بچائی۔ اس کے بعد بھی تین سال تک بُسر مختلف مہمات میں سرگرم رہا ہے۔ اس لیے یہ بات صحیح نہیں کہ امیر معاویہؓ نے اُسے اس کی زیادتیوں کی وجہ سے معزول کر دیا تھا۔ صحیح تر بات یہ ہے کہ اس سے مواخذہ کیے بغیر یکے بعد دیگرے مختلف خدمات پر مامور کیا جاتا رہا۔

کیا صحابہؓ کے متعلق تاریخی واقعات بیان کرنا قابلِ اعتراض ہے؟

مولانا مودودی نے اس بحث میں جو کچھ امیر معاویہؓ کے متعلق لکھا ہے اس پر مدیر "البلاغ" اور دوسرے معترضین بار بار یہ کہتے ہیں کہ محض تاریخ کے بل پر صحابہ کرام کو مطعون کرنا جائز نہیں۔ یہی اعتراض "خلافت و ملوکیت" کی دوسری تاریخی روایات کے خلاف عائد کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ اعتراض متعدد وجوہ سے غلط ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی بیان کرنا یا اُسے کتاب و سنت کے معیارِ حق پر جانچنا موجبِ طعن نہیں ہے۔ ہمارے اس قریب کے زمانے میں شاہ عبدالعزیز صاحب محدث سے بڑھ کر صحابہ کرام کے خلاف مطاعن کا رد کرنے والا شاید ہی کوئی دوسرا ہو۔ ان پر اس سلسلے میں مصیبت کے جو پہاڑ توڑے گئے، جس طرح انہیں شدید جانی و مالی مصائب کا شکار ہونا پڑا اور جس طرح ان کی املاک ضبط کی گئیں، اُس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن انہوں نے، جیسا کہ میں پچھلی بحث میں نقل کر چکا، ایک طرف یہ فرمایا کہ زبانِ طعن بند رکھنی چاہیے اور دوسری طرف وہیں حضرت معاویہ کو سباب و قتال جیسے کبائر کا مرتکب بھی قرار دیا۔ اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہے کہ ان امور کا ذکر طعن کے مترادف نہیں ہے۔ اس سے واضح تر شاہ صاحب کا ایک جواب ان کے فتاویٰ عزیزی میں موجود ہے۔ ان سے سوال کیا گیا کہ "حضرت معاویہ اور مروان کو بُرا کہنے کے بارے میں اہلِ سنت کے نزدیک کیا ثابت ہے؟ جواب میں مروان کو ملعون اور شیطان قرار دینے اور اس سے دلی بیزاری کو لوازمِ سنت شمار کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

---

[1] خطب بسر علیٰ منبر البصرۃ فشتم علیاً (تاریخ طبری، ج ۴ ص ۱۴۲، الکامل، ج ۳، ص ۲۰۷)۔

"علمائے ماوراء النہر و مفسرین و فقہاء این ہمہ حرکات و جنگ و جدل او را کہ با جناب مرتضیٰ علی نمودہ حمل بر خطائے دارند و محققین اہل حدیث بعد تتبع روایات صحیح دریافتہ اند کہ این حرکات خالی از شائبہ نفسانی نبود و خالی از تہمت تعصب امویہ و قرشیہ کہ بجناب ذی النورین داشت نبودہ است پس نہایت کارش این است کہ مرتکب کبیرہ و باغی باشد و الفاسق لیس باھل اللعن۔ اگر مراد از سب ہمین قدر است این فعل او را بد گفتن و بد دانستن، بلاشبہ بر محققین این معنی واضح است۔ و اگر مراد از سب لعن و شتم است پس معاذ اللہ کہ کسے از اہل سنت پیرامون آن گردد چہ نزد ایشان برائے فاسق و مرتکب کبیرہ استغفار مامور بہ است فیکون اللعن حراما خاصۃً کہ او مرد صحابی ست۔" (فارسی عبارت فتاویٰ عزیزیہ، کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند۔ جلد اول ص۱۰۱ سے منقول ہے۔ اور ترجمہ فتاویٰ عزیزی مترجم، شائع کردہ سعید اینڈ کمپنی، کراچی۔ ص ۲۲۵ سے نقل کیا گیا ہے۔)

علماء ماوراء النہر مفسرین اور فقہاء کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ کے حرکات جنگ و جدل جو حضرت مرتضیٰ علی کے ساتھ ہوئیں وہ صرف خطاء اجتہادی کی بنا پر تھیں۔ محققین اہل حدیث نے بعد تتبع روایات دریافت کیا ہے کہ یہ حرکات شائبہ نفسانی سے خالی نہ تھے اور اس تہمت سے خالی نہیں کہ جناب ذی النورین حضرت عثمان کے معاملہ میں جو تعصب امویہ و قرشیہ میں تھا، اسی کی وجہ سے یہ حرکات معاویہؓ سے وقوع میں آئے جس کا غایت نتیجہ یہی ہے کہ وہ مرتکب کبیرہ و لبغاوت قرار دیئے جائیں والفاسق لیس باھل اللعن، یعنی فاسق قابل لعن نہیں۔ تو اگر مراد برا کہنے سے اسی قدر ہے کہ ان کے اس فعل کو برا کہنا چاہیے اور برا سمجھنا چاہیے تو بلاشبہ اس امر کا ثبوت محققین پر واضح ہے۔ اگر برا کہنے سے مراد لعن و شتم ہے تو معاذ اللہ کہ اہل سنت سے کوئی شخص اس کے گرد جائے۔

اس واسطے کہ اہل سنت کے نزدیک یہ حکم ثابت ہے کہ فاسق اور مرتکب کبیرہ کے حق میں استغفار کرنا چاہیے۔ لعن کرنا حرام ہے علی الخصوص حضرت معاویہؓ پر جو کہ صحابی ہیں۔"

شاہ صاحبؒ کی کتاب "تحفۂ اثنا عشریہ" شیعوں کے رد میں ایک مستقل تصنیف ہے۔ اس میں درج ذیل عبارت موجود ہے:

"اہل سنت سب کے سب اس پر متفق الرائے ہیں کہ معاویہ بن ابی سفیان حضرت امیر (علی) کی ابتدائی امامت سے اس وقت تک کہ حضرت امام حسن نے معاملۂ امامت معاویہ کے سپرد کیا، باغیوں

میں سے تھے کیونکہ امامِ وقت کی اطاعت چھوڑ دی اور جب امام حسن نے امامت ان کے سپرد کی تو وہ بادشاہ ہوتے۔ اب رہا یہ شک کہ جب معاویہ باغی ٹھہرے اور ناحق غلبہ حاصل کرنے والے، تو ان پر لعن طعن کیوں نہیں کرتے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہلِ سنّت کے نزدیک گناہِ کبیرہ کے مرتکب پر لعن جائز نہیں، اور باغی چونکہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، اس پر بھی لعن منع و ناجائز ہوئی۔"

(تحفہ اثنا عشریہ مترجم ص۲۰۵، ناشر نور محمد، کراچی)

اب کوئی شخص اگر شاہ صاحب کے ان اقوال کو کھلے دل اور کھلی آنکھوں سے پڑھے تو یہ بات اس سے مخفی نہ رہے گی کہ انہوں نے امیر معاویہؓ کے تعصب، شائبۂ نفسانیت اور فسق کا صاف صاف ذکر کیا ہے، البتہ امیر معاویہ پر لعن طعن اور سبّ و شتم سے اجتناب کیا ہے اور اسی کو اہلِ سنّت کا مسلک بتایا ہے۔ "خلافت و ملوکیت" میں آخر یہی کچھ تو کیا گیا ہے۔ واقعات بیان کر دیئے گئے، غلط کام کو غلط کہا گیا، مگر لعن و طعن اور سبّ و شتم سے قطعی پرہیز کیا گیا۔

احادیثِ صحیحہ سے تاریخی واقعات کی توثیق دوسری بات جو اس سلسلے میں قابلِ وضاحت ہے، وہ یہ کہ تاریخی روایات کی وساطت سے ہمارے مؤرخین نے جو مواد صحابۂ کرام کے حالات پر مشتمل جمع کیا ہے، اس میں سے اکثر و بیشتر ایسا ہے جس کا ماخذ و منبع صحیح احادیث و آثار میں بھی موجود ہے جو نہایت ثقہ و قوی راویوں نے روایت کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ کے ضعیف یا مجروح راویوں سے بھی اس طرح کا تاریخی مواد اخذ کرنے میں مضائقہ نہیں سمجھا گیا۔ مثلاً یہی امیر معاویہؓ کا حضرت علیؓ کے مقابلے میں اٹھ کر جنگ کرنا اور اس میں ہر ممکن تدبیر کو کام میں لانا ایک بدیہی حقیقت ہے جس کا انحصار مجرد تاریخی روایات پر نہیں ہے، بلکہ صحاح ستہ کی نہایت صحیح الاسناد روایات میں بھی اس کے دلائل و شواہد موجود ہیں۔ اس کی ایک مثال میں یہاں پیش کرتا ہوں۔ مسلم، کتاب الامارۃ باب وجوب الوفاء ببیعۃ الخلیفۃ الاول فالاول میں ایک حدیث ہے جس کے راوی عبدالرحمٰن بن عبد ربّ الکعبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص بیت اللہ میں بیٹھے تھے جبکہ انہوں نے بیان کیا کہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جمع کر کے ایک خطاب فرمایا۔ اس خطاب میں آنحضورؐ نے آئندہ آنے والے متعدد فتنوں کی پیشین گوئی کرتے ہوئے آخر میں فرمایا:

ومن بايع اماماً فاعطاه صفقة يده وثمرة قلبه فليطعه ان استطاع فان جاء اخر ينازعه فاضربوا عنق الاخر فدنوت منه فقلت انشدك الله أانت سمعت هذا من رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فاهوى الى اذنيه وقلبه بيديه وقال سمعته اُذناى ووعاه قلبي فقلت له هذا ابن عمك معاوية يأمرنا ان ناكل اموالنا بيننا بالباطل ونقتل انفسنا، والله يقول: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا۔ فسكت ساعة ثم قال اطعه فى طاعة الله واعصه فى معصية الله۔

جس شخص نے ایک امام کی بیعت کی اور دل و جان سے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا، اُسے چاہیے کہ وہ اس امام کی حتی الامکان اطاعت کرے پھر اگر دوسرا امامت کا دعویدار بنے تو دوسرے کو مارو (عبدالرحمٰن راوی کہتے ہیں کہ) میں نے حضرت عبداللہ سے قریب ہو کر پوچھا کہ میں آپ کو خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں، کیا آپ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے؟ پس انہوں نے میرے کانوں کی طرف جھک کر اور میرے پہلو کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر فرمایا کہ میرے دونوں کانوں نے یہ بات سنی اور میرے دل نے اسے محفوظ رکھا ہے۔ پھر میں نے (راوی نے) حضرت عبداللہ سے کہا کہ آپ کے یہ عم زاد معاویہ تو ہمیں حکم دیتے ہیں کہ ہم آپس میں اپنے مال باطل طریقے پر کھائیں اور اپنے (مسلمان بھائیوں) کو قتل کریں حالانکہ اللہ فرماتا ہے کہ "اے ایمان والو! مت کھاؤ اپنے مال آپس میں باطل طریق پر الا یہ کہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارتی لین دین ہو اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔ یقیناً اللہ تم پر مہربان ہے۔" راوی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ میری بات پر کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا: اللہ کی اطاعت کے تحت معاویہ کی اطاعت کرو اور جب ان کی اطاعت کا مطلب اللہ کی نافرمانی ہو تو امیر معاویہ کا حکم نہ مانو۔

یہ حدیث معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ سنن ابی داؤد، کتاب الفتن میں بھی موجود ہے۔ اس روایت کا مضمون صاف طور پر بتا رہا ہے کہ اس میں پہلے امام اور دوسرے مدعی و منازع کا ذکر جس انداز میں ہے اُس کا اطلاق حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ پر ہو سکتا ہے۔ اور امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے خلاف جو منازعت و محاربت

کی روش اختیار کی، لوگوں کی جان و مال پر خود یا اپنے لشکریوں اور عاملوں کے ذریعے سے تعدی کی اور اس کے لیے جو ذرائع و وسائل استعمال کیے یہ سب کارروائیاں ناجائز تھیں جن کی ذمہ داری امیر معاویہ پر عائد ہوتی تھی۔ امام نووی ؒ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

"راوی کے کلام کا مقصود یہ ہے کہ جب اُس نے حضرت عبداللہ بن عمرو کی بات اور یہ حدیث سنی کہ خلیفۂ اول کی موجودگی میں دوسرے کی اس سے منازعت حرام ہے اور دوسرا لائقِ قتل ہے تو راوی اس بات کا قائل ہو گیا کہ یہ وصف معاویہؓ میں موجود ہے کیونکہ وہ حضرت علیؓ سے نزاع کر رہے ہیں، حالانکہ حضرت علیؓ کی بیعت پہلے منعقد ہو چکی ہے۔ پس راوی عبدالرحمن کی رائے یہ ہوئی کہ امیر معاویہؓ حضرت علیؓ کے خلاف جنگ اور منازعت و مقاتلت میں اپنے فوجیوں اور پیروکاروں پر جو کچھ خرچ کر رہے ہیں وہ اکل المال بالباطل (اور قتلِ نفس) ہے۔ اسی بنا پر حضرت ابن عمروؓ نے فرمایا کہ تو اللہ کی اطاعت میں معاویہؓ کی اطاعت کر اور جہاں اللہ کی نافرمانی لازم آتے، وہاں اطاعت نہ کر۔"

اس روایت سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ عبدالرحمن بن عبد رب الکعبہ نے جو رائے قائم کی تھی حضرت عبداللہ بن عمرو کو اس سے اختلاف نہیں تھا، ورنہ وہ راوی سے ضرور کہتے کہ تمہارا خیال غلط ہے، یہ تو ایک اجتہادی اختلاف ہے، اس لیے اس پر قتلِ نفس اور اکل بالباطل کی تعریف صادق نہیں آتی، نیز حضرت عبداللہؓ یہ بھی نہ فرماتے کہ اللہ کی معصیت میں امیر معاویہؓ کی نافرمانی کرو۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ صفین میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ اپنے والد کے ہمراہ امیر معاویہؓ کے کیمپ میں چلے تو گئے تھے لیکن آپ نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا اور جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ آئے ہی کیوں تو آپ نے جواب دیا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ہدایت فرمائی تھی کہ اپنے والد کی نافرمانی نہ کرنا، تو میں اپنے والد کا حکم اس حد تک تو بجا لے آیا کہ ان کے ساتھ آ گیا مگر میں حضرت علیؓ سے لڑ کر خدا کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ سوال یہ ہے کہ اگر صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد میں ایسی روایات کی موجودگی موجبِ طعن نہیں ہے جو حضرت علیؓ کے بالمقابل حضرت معاویہ کے موقف کو کلی اور مجموعی حیثیت سے باطل بتا رہی ہیں، تو کسی ایسی تاریخی روایت کے نقل کر دینے سے کیا قیامت برپا ہو جائے گی جو امیر معاویہؓ یا ان کے

کسی گورنر کی کوئی غلط کارروائی بیان کر رہی ہو؟

مسلمان عورتوں کو لونڈیاں بنانے کا معاملہ | مولانا مودودی نے بُسر بن ابی اَرطاۃ کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ "اسے حضرت معاویہؓ نے ہمدان پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا جو اس وقت حضرت علیؓ کے قبضے میں تھا۔ وہاں اس نے ایک ظلم عظیم یہ کیا کہ جنگ میں جو مسلمان عورتیں پکڑی گئی تھیں، انہیں لونڈیاں بنایا۔" اس پر مولانا عثمانی لکھتے ہیں کہ یہ بات استیعاب کے سوا کسی بھی تاریخ میں موجود نہیں، اور کسی دوسرے مورخ نے اسے اپنی تاریخ میں درج کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کی سند میں ایک راوی موسیٰ بن عبیدہ ہیں جو ضعیف ہیں اور جن سے روایت حلال نہیں۔ لیکن عثمانی صاحب اور بعض دوسرے لوگوں کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے کہ یہ بات استیعاب کے سوا کسی کتاب میں درج نہیں ہے۔ جتنی محنت اور جتنا وقت ان حضرات نے کتابوں کی ورق گردانی کرنے میں صرف کیا ہے، اگر میں کرتا تو شاید میں بھی متعدد تائیدی حوالے پیش کر دیتا، لیکن سر دست اُسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد ۱، ص۱۸۰ کا ایک اقتباس حاضر ہے۔ بُسر کے حالات میں مصنف ابن اثیر فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن معین کے قول کے مطابق بُسر ایک بُرا آدمی تھا کیونکہ اس نے کبائر کا ارتکاب کیا جنہیں مؤرخین و محدثین نے نقل کیا ہے۔ عبید اللہ بن عباس کے دو معصوم بچوں عبد الرحمٰن اور قثم کو ان کی ماں کے سامنے ذبح کیا۔ اس صدمے سے وہ دیوانی ہو گئی۔ معاویہؓ نے اس شخص کو حجاز و یمن کی طرف حضرت علیؓ کے حامیوں کو قتل کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ پھر لکھتے ہیں:

واغار علی همدان بالیمن وسبی نساءهم فکن اول مسلمات سُبین فی الاسلام وهدم دورًا بالمدینة وقد ذکرت الحادثة فی التواریخ فلا حاجة الی الاطالة بذکرها۔	اِس شخص نے یمن میں ہمدان کو تاخت و تاراج کیا اور وہاں کی عورتوں کو لونڈیاں بنالیا۔ اسلام میں یہ پہلی عورتیں تھیں جنہیں لونڈی بنایا گیا۔ اور اس نے مدینہ میں گھروں کو منہدم کیا۔ یہ حادثہ تاریخوں میں مذکور ہے، اس لیے اس کے ذکر کو طول دینے کی ضرورت نہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ حافظ ابن عبد البرؒ اور حافظ ابن اثیرؒ الجزری (صاحب الکامل)[1] دونوں اتنے بلند پایہ

[1] یہ بھی واضح رہے کہ ابن اثیر نے اُسد الغابہ کو اپنی تاریخ الکامل کے بعد مرتب کیا ہے، اور اس میں زیادہ مشہور اور

محدث و مؤرخ ہیں کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا اس واقعہ کو نقل کر دینا اثباتِ مدعا کے لیے کافی ہے[1] اس کے بعد اگر مدیر البلاغ یا کچھ دوسرے لوگ اس واقعہ کا انکار کرنا چاہتے ہیں تو پھر انہیں چاہیے کہ دورِ فتن کی پوری تاریخ ہی کا انکار کر دیں۔ مگر اس انکار سے کیا ہوگا، انّ ما تحذرین قد وقعت۔ باقی رہا کسی راوی کا ضعیف یا متکلّم فیہ ہونا، تو میں پہلے تفصیلاً عرض کر چکا ہوں کہ تاریخی بحث میں ہر قدم پر راوی کی خیریت معلوم کرنے کی کوشش کرنا نہ ممکن ہے، نہ آج تک کسی سے یہ ہو سکا ہے۔ پھر میں مدیر موصوف کو اس طرف بھی متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ مولانا نے ابن عبدالبر کا جو قول نقل کیا ہے وہ موسیٰ بن عبیدہ وغیرہ کے حوالے سے نہیں نقل کیا ہے، بلکہ ابو عمرو الشیبانی کے حوالے سے نقل کیا ہے، ابن عبیدہ والی روایت بعد میں بطور تائید آئی ہے ابو عمرو الشیبانی ثقہ راوی ہیں۔

حضرت عمارؓ کا سر کاٹنے کا معاملہ حضرت عمار بن یاسرؓ کا سر کاٹ کر امیر معاویہؓ کے پاس لائے جانے کی جو روایت مولانا مودودی نے درج کی ہے، اس پر مولانا محمد تقی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ روایت تو مولانا نے صحیح نقل کی ہے لیکن اس واقعہ سے حضرت معاویہؓ پر الزام کسی طرح درست نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں یہ نہیں تلایا کہ حضرت معاویہؓ نے اس فعل پر کیا اثر لیا؟ اسی طرح حضرت علیؓ کا ایک لشکری عمیر بن جرموز، حضرت زبیرؓ کا سر تن سے جدا کر کے حضرت علیؓ کے پاس لے گیا۔ حضرت علیؓ یا حضرت معاویہؓ دونوں میں سے کسی نے سر کاٹنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ حضرت علیؓ کے بارے میں ایسی روایت موجود ہے کہ انہوں نے حضرت زبیرؓ کی شہادت پر افسوس ظاہر کیا۔ حضرت معاویہؓ کے قصے میں ایسی کوئی بات مذکور نہیں مگر یہ "عدمِ ذکر ہی تو ہے" "ذکرِ عدم" تو نہیں۔

جناب عثمانی صاحب نے قطعِ رأس کے ان دو واقعات میں جس طرح مشابہت دکھانے اور حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے طرزِ عمل میں جو مماثلت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اُسے دیکھ کر بڑا تعجب ہوتا ہے حقیقت

اہم واقعات کو درج کیا ہے، جن کے اندراج کے بعد وہ بالعموم لکھ دیتے ہیں کہ بقیہ واقعات میری تاریخ میں موجود ہیں۔

[1] ابن حجر نے بھی تہذیب التہذیب میں بُسر کے حالات میں لکھا ہے: فعل بمکہ والمدینۃ والیمن افعالاً قبیحۃً، وِلاۃ المعاویۃ الیمن وکانت بھا آثار غیر محمودۃ۔ یعنی افعالِ قبیحہ اور آثار غیر محمودہ تھے جن کی تفصیل استیعاب اور اُسد الغابہ میں بیان ہوئی ہے۔

یہ ہے کہ ان دونوں حادثوں کی جو تفصیلات تاریخوں میں بیان ہوئی ہیں ان میں بالکل نمایاں اور بیّن فرق ہے۔ ابن جرموز کے متعلق ابن عبدالبرؒ، ابن سعدؒ اور ابن کثیرؒ وغیرہ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بدبخت حضرت زبیرؓ کا سر جدا کرکے اور آپ کا سر اور آپ کی تلوار لے کر حضرت علیؓ تک پہنچا کہ شاید آپ خوش ہو کر انعام و اکرام سے نوازیں گے۔ مگر حضرت علیؓ نے محض رسمی افسوس کا اظہار نہیں کیا بلکہ آپ کو شدید قلق ہوا اور آپ نے اس شخص کو اپنے سامنے پیش ہونے کی اجازت نہ دی اور فرمایا بشّرہ بالنار (اس کو جہنم کی آگ کی بشارت سناؤ)۔ پھر آپ نے حضرت زبیرؓ کی تلوار لے کر کہا کہ اسی تلوار نے کتنی ہی مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت کی تھی! اس کے بالمقابل حضرت معاویہؓ کے سامنے جب دو شخص حضرت عمارؓ کا سر لے کر پہنچے جن میں سے ہر ایک قاتلِ عمارؓ ہونے کا مدعی تھا، تو جتنی کتابوں میں یہ واقعہ مذکور ہے، ان میں کسی ایک مقام پر بھی یہ بات نظر سے نہیں گزری کہ امیر معاویہؓ نے قاتلوں کو تنبیہ کی ہو یا اظہارِ تاسّف کیا ہو۔ اب عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ "یہ عدمِ ذکر ہی تو ہے، ذکرِ عدم تو نہیں"۔ حالانکہ فعلِ تنبیہ و افسوس اگر معدوم ہونے کے بجائے موجود ہوتا تو مذکور بھی ہوتا، اس کے غیر مذکور رہنے کی کوئی معقول وجہ ہی نہیں تھی۔ مُسند احمد کی مرویات اور دوسری تاریخی روایات بتاتی ہیں کہ ان دونوں قاتلوں کو جھگڑتے دیکھ کر حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن عاص نے فرمایا تھا کہ کاش تم دونوں میں سے ہر ایک یہ پسند کرتا کہ قتلِ عمارؓ کا فعلِ قبیح اور اس کا دعویٰ وہ نہ کرے بلکہ اس کا دوسرا ساتھی کرے، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ آپؐ نے عمارؓ سے فرمایا: تَقْتُلُكَ فِئَةٌ بَاغِيَةٌ (تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا)۔ امیر معاویہ نے یہ سُن کر حضرت ابن عمروؓ سے کہا کہ پھر تم ہمارے ساتھ کیوں آئے۔ اس پر انہوں نے وہ جواب دیا جو اوپر بیان ہو چکا[1]۔ بعض روایات میں حضرت معاویہ کا یہ قول بھی بیان ہوا ہے کہ ہم نے عمارؓ کو قتل

---

[1] مُسند احمد، مرویات عبداللہ بن عمروؓ، جلد ۱۱، حدیث ۶۹۲۹ (مکتبہ دار المعارف مصر) میں الفاظ ہیں: فقال معاویۃ الا تغنی عنا مجنونک یا عمرو، فما بالک معنا۔ قال ان ابی شکانی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اطع اباک ما دام حیًّا ولا تعصہ، فانا معکم ولست اقاتل (حضرت معاویہ نے حضرت عمرو بن عاص سے کہا کہ اپنے اس دیوانے لڑکے سے ہمارا پیچھا کیوں نہیں چھڑاتے۔ پھر حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے کہا اگر یہ بات ہے تو پھر تم ہمارے ساتھ کیوں ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ میرے

نہیں کیا، بلکہ علیؓ نے کیا ہے جو اُسے ساتھ لائے۔ اب فی الواقع یہ چیز بڑی عجیب و غریب ہو گی کہ یہ ساری باتیں تو روایات میں منقول ہونے سے نہ رہیں، مگر فقط امیر معاویہؓ کی تنبیہ و تکبیر اور اظہارِ افسوس ہی معدوم الذکر رہ گیا جس کی فی الواقع سخت ضرورت تھی، کیونکہ سارے مؤرخین و محدثین یہ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتلینِ عمار کو باغی گروہ قرار دیا تھا۔ اگر حضرت معاویہؓ نے اظہار رنج و افسوس کیا ہوتا تو اس کا ذکر ضرور کیا جاتا۔ روایات کا مضمون اور مجموعی انداز تو بتا رہا ہے کہ سر کاٹنے والوں کو تنبیہ کرنے کے بجائے امیر معاویہؓ الٹی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کو تنبیہ فرما رہے ہیں جو قاتلین عمار کی مذمت کر رہے تھے۔ پھر ایک طرف حضرت ابن عمروؓ، امیر معاویہؓ کے سامنے ارشادِ نبویؐ پیش کر رہے ہیں اور دوسری طرف امیر معاویہ فرما رہے ہیں کہ آپ عمرو، اپنے مجنون بیٹے سے ہمارا پیچھا کیوں نہیں چھڑواتے۔ عثمانی صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ امیر معاویہؓ کے اس قول پر بھی تو کچھ ارشاد فرماتے۔ یہ قول تو مذکور ہے، معدوم نہیں اور حدیث بھی صحیح الاسناد ہے۔ جیسا کہ وہ خود تسلیم کر چکے ہیں۔ اس کی سند میں کوئی راوی رافضی یا کذاب نہیں ہے۔

عمرو بن الحمق کا سر کاٹ کر گشت کرانے کا معاملہ عمرو بن الحمق کا سر کاٹ کر گشت کرانے کا جو واقعہ مولانا مودودی نے لکھا ہے، اس کا عثمانی صاحب نے انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ابن جریر نے جو روایت درج کی ہے، اس کی رُو سے عمرو بن الحمق کو موصل کے گورنر نے گرفتار کر لیا تھا اور امیر معاویہؓ نے اُسے لکھا تھا کہ ان پر نیزے کے نو وار کرو جس طرح انہوں نے حضرت عثمانؓ پر کیے تھے۔ عثمانی صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ البدایہ کے سوا کسی کتاب میں سر کاٹنے یا حضرت معاویہ کے پاس لے جانے کا ذکر نہیں۔ عثمانی صاحب کے نزدیک ابن جریر کی روایت بہت پُر لطف ہے کیونکہ اس کا راوی ابو مخنف ہے اور شیعہ ہونے کے باوجود وہ حضرت معاویہؓ پر سر گشت کرانے کا الزام عائد نہیں کرتا۔ مگر مولانا عثمانی صاحب کا دعویٰ صحیح نہیں ہے اور نہ اس سے مولانا مودودی کا اعتراض رفع ہوتا ہے۔

مولانا مودودی کا اصل اعتراض یہ ہے کہ اس دور میں لوگوں کے سر کاٹ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے کا طریقہ

والد نے ایک مرتبہ میری شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تھی، اس پر حضورؐ نے فرمایا تھا اپنے باپ کی اطاعت کرو جب تک وہ زندہ رہیں، اور ان کی نافرمانی نہ کرو۔ اس وجہ سے مَیں آپ لوگوں کے ساتھ ہوں، مگر مَیں لڑوں گا نہیں۔"

مسلمانوں کے اندر شروع ہوا جو جاہلیت میں رائج تھا اور جسے اسلام نے مٹا دیا تھا۔ اب عمرو بن الحمق کا سر قطع ہونے اور امیر معاویہ کے پاس بھیجے جانے کا ذکر صرف البدایہ ہی میں نہیں، جیسا کہ عثمانی صاحب کا خیال ہے، بلکہ یہ واقعہ تہذیب التہذیب میں بھی مذکور ہے جس کا حوالہ مولانا مودودی نے دیا ہے۔ ابن حجرؒ یہاں جلد ۸، صفحہ ۲۴ پر ابن حبان کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے قتل کے بعد عمرو بن الحمق موصل پہنچا اور ایک غار میں چھپ گیا جہاں ایک سانپ نے اُسے ڈس لیا پھر لکھتے ہیں فاخذ عامل الموصل رأسه وحمله الی زیاد فبعث زیاد رأسه الی معاویۃ (موصل کے عامل نے اس کا سر کاٹ لیا اور زیاد کے پاس لے گیا۔ پھر زیاد نے اس کا سر امیر معاویہؓ کے پاس بھیج دیا)۔ اب فرض کیا کہ امیر معاویہؓ نے اسے گشت نہ کرایا ہو، لیکن اتنی بات تو البدایہ اور تہذیب التہذیب دونوں میں منقول ہے کہ یہ سر موصل سے بصرہ و کوفہ اور وہاں سے دمشق امیر معاویہؓ تک پہنچا اور جو سفر اس نے طے کیا تھا وہ ان سے بھی مخفی نہ رہا ہوگا۔ اس کے بعد ابن حجرؒ آخر میں لکھتے ہیں: وذکر ابن جریر عن ابی مخنف ان عمرو بن الحمق کان من اصحاب حجر بن عدی یعنی فلذالک ارید قتله وحمل رأسه لما مات (اور ابن جریر نے ابو مخنف سے روایت کیا ہے کہ عمرو بن الحمق حجر بن عدی کے ساتھیوں میں تھے، مطلب یہ ہے کہ حجر کی رفاقت ہی کے باعث اس کے قتل کا ارادہ کیا گیا اور مرنے کے بعد اس کا سر لے جایا گیا)۔ بہر کیف موت کا باعث خواہ قصاص ہو یا سانپ سے کاٹا جانا ہو، لاش کا مُثلہ اسلام میں جائز نہیں۔ صحابہ کرام کفار کے ہاتھوں شہید ہوتے، ان کا مُثلہ کیا گیا، کلیجے چبائے گئے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی لاشوں کو رُسوا کرنے سے ہمیشہ منع فرمایا۔

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کے طرز استدلال کی یہ دو رنگی بھی میرے لیے تعجب خیز ہے کہ ایک طرف حضرت امیر معاویہؓ نے بغی و محاربہ کی جو روش خلیفۂ راشد حضرت علیؓ کے بالمقابل اختیار کی اُسے تو مشاجرت اختلاف یا اجتہاد کا عنوان دے کر پوری صفائی اور برأت پیش کی جا رہی ہے اور دوسری طرف حضرت حجرؓ بن عدی نے جو رویہ امیر معاویہؓ کے مقابلے میں اختیار کیا اُسے پوری شد و مد کے ساتھ بغاوت اور سزاوارِ قتل ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے (یہ بحث آگے آ رہی ہے)۔ آخر ایک ہی نوعیت کے افعال کو دو مختلف پیمانوں سے ناپنے کے حق میں دلیلِ جواز کیا ہے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ اہلِ سنت کے مسلک میں کسی صحابی پر بعض طعن بہت

بڑا گناہ ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ صحابی کے کسی قول وفعل کے متعلق یہ کہنا بھی گناہ ہے کہ وہ مطابقِ کتاب وسنّت نہیں ہے۔ امیر معاویہؓ کے ہر فعل کی تصویب جس طرح مولانا عثمانی صاحب کر رہے ہیں، علمائے سنّت نے اس کا اہتمام کبھی نہیں کیا۔ شاہ عبدالعزیز محدثؒ کے اقوال میں پہلے نقل کر چکا۔ اب آخر میں مولانا رشید احمد گنگوہی کے کتابچہ "ہدایت الشیعہ" ص ۳۰ کے ایک اقتباس پر اس بحث کو ختم کیا جا رہا ہے۔ شیعہ حضرات کے ایک سوال کے جواب میں وہ فرماتے ہیں:

"معاویہؓ کا محاربہ حضرت امیرؓ کے ساتھ جو ہوا تو اہلِ سنّت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے ہیں۔ ذرا کوئی کتاب اہلِ سنّت کی دیکھی ہوتی۔ اہلِ سنّت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں، مگر معاویہ اس خطا کے سبب ایمان سے نہیں نکل گئے، جیسا تمہارا اور تمہارے اسلاف کا زعم ہے، کیونکہ حق تعالیٰ خود قرآن شریف میں فرماتا ہے: وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا ... تو دیکھو کہ حق تعالیٰ باوصف مقاتلہ باہمی ان کو مومنین کہہ کر تعبیر فرماتا ہے اور سوا اس کے صدہا آیات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فسق وگناہِ کبیرہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا۔"

(باقی)

ضروری اطلاع

مشرقی پاکستان کے خریداران "ترجمان القرآن" کی سہولت کی خاطر یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اکتوبر ۱۹۶۹ء سے خریداروں اور ایجنٹ حضرات کو بذریعہ ہوائی ڈاک پرچہ بھیجا جایا کرے۔ اس لیے کہ بحری ڈاک میں پرچہ بھیجنے سے بہت زیادہ تاخیر ہو جاتی ہے۔

مزید ہوائی ڈاک کا خرچ تقریباً ڈیڑھ روپیہ سالانہ ہوگا۔ اس لیے اب مشرقی پاکستان کے انفرادی خریداروں سے سات روپے کی بجائے ۸/۵۰ روپے سالانہ چندہ وصول کیا جائیگا اور قیمت فی پرچہ ۷۵ پیسے کی بجائے ۸۵ پیسے ہوگی۔ جملہ حضرات مطلع رہیں۔

مینجر ترجمان القرآن۔ اچھرہ، لاہور